فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۴۸)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: کیا نماز میں سورت فاتحہ سے پہلے اور قرأت کے بعد ''سکتہ'' کرنا ثابت ہے؟

جواب: نماز میں سورت فاتحہ سے پہلے یا سورت فاتحہ کے بعد یا قرأت کے بعد ''سکتہ'' کرنا ثابت نہیں۔

❀ سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

حَفِظْتُ سَكْتَتَيْنِ فِي الصَّلَاةِ، سَكْتَةً إِذَا كَبَّرَ الْإِمَامُ حَتّٰى يَقْرَأَ، وَسَكْتَةً إِذَا فَرَغَ مِنْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ، وَسُورَةٍ عِنْدَ الرُّكُوعِ.

''میں نے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے) نماز میں دو ''سکتے'' یاد کیے۔ ایک سکتہ، جب امام تکبیر تحریمہ کہتا ہے، تو قرأت تک اور دوسرا سکتہ فاتحہ اور سورت کی قرأت کے بعد رکوع سے پہلے۔''

(سنن أبي داود: 777، 778، سنن التّرمذي: 251، سنن ابن ماجه: 844)

سند ضعیف ہے۔ اس میں حسن بصری رحمہ اللہ کا عنعنہ ہے۔ سماع کی تصریح نہیں کی۔

یاد رہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا انہوں نے سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ سے سماع کیا ہے یا نہیں۔ اس حوالہ سے مختلف آراء پائی جاتی ہیں، اکثر محدثین کے نزدیک حسن بصری کا سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔

❀ حافظ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّ أَكْثَرَ الْحُفَّاظِ لَا يُثْبِتُونَ سَمَاعَ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ مِنْ سَمُرَةَ فِي غَيْرِ حَدِيثِ الْعَقِيقَةِ.

''اکثر محدثین حسن بصری کا سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں سمجھتے، سوائے عقیقہ والی حدیث کے۔''

(السّنن الكبرىٰ للبيهقي : 5/288، 8/35)

❀ علامہ تورپشتی رحمہ اللہ (٦٦١ھ) فرماتے ہیں:

كَثِيرٌ مِّنْ أَئِمَّةِ النَّقْلِ يَقُولُونَ: إِنَّ الْحَسَنَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ سَمُرَةَ.

''بہت سے محدثین کہتے ہیں: حسن بصری نے سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں کیا۔''

(المُيَسَّر في شرح مَصابيح السّنة : 2/715)

اس بنا پر ''سکتہ'' والی روایت منقطع ہوئی، منقطع روایت حجت نہیں ہوتی۔

جن کے نزدیک حسن بصری رحمہ اللہ کا سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے، تو حسن بصری ''عن'' سے بیان کر رہے ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی، لہٰذا روایت ''معنعن'' ہے اور مدلس کی ''معنعن'' روایت قابل حجت نہیں ہوتی۔

بعض محدثین کے مطابق حسن بصری رحمہ اللہ کے پاس سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی کتاب تھی، جس سے وہ روایت کرتے تھے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر کوئی دلیل نہیں کہ مذکورہ روایت بھی کتاب سے ہے، نیز علامہ ابو بکر جصاص رحمہ اللہ (احکام القرآن : ٣/٥٣) وغیرہ نے اس روایت کو ''غیر ثابت'' کہا ہے۔ جن اہل علم نے اس روایت کی تصحیح کی ہے، وہ سماع کے ثبوت کے قائل ہیں، اس صورت میں بھی لازم ہے کہ سماع کی تصریح بیان کی جائے، کیونکہ مدلس راوی کا اپنے شیخ سے سماع تو ہوتا ہے، مگر وہ روایت ''عن'' سے

بیان کرنے کی وجہ سے نا قابل احتجاج ہوتی ہے۔ یہاں بھی حسن بصری مدلس ہیں، ''عن'' سے روایت کررہے ہیں، لہٰذا ضعیف ہے۔

سوال: کیا انبیائے کرام کے خواب ''وحی'' ہوتے ہیں؟

جواب: اہل حق کا اجماع ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب ''وحی'' ہوتے ہیں۔

❁ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

اِتِّفَاقُهُمْ عَلٰی أَنَّ رُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ وَحْيٌ وَحَقٌّ .

''اہل علم کا اتفاق ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب وحی اور حق ہیں۔''

(التّوضيح لشرح الجامع الصّحيح : 66/19)

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يَآ أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ﴾(الصّافّات : ۱۰۲)

''انہوں (ابراہیم علیہ السلام) نے فرمایا: بیٹا! میں نے خواب دیکھا کہ میں آپ کو ذبح کررہا ہوں، آپ کا کیا خیال ہے؟ تو انہوں (اسماعیل علیہ السلام) نے کہا: ابا جان! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے، اسے بجالایئے۔''

❁ فرشتوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:

إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ، وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ .

''بلاشبہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی) آنکھ سو رہی ہے اور دل جاگ رہا ہے۔''

(صحيح البخاري :7281)

دل کا فہم اور معرفت بیدار تھی، تاکہ دل وحی کو محفوظ کرسکے۔

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَنَامُ عَيْنِي وَلَا يَنَامُ قَلْبِي .

''میری آنکھ سوتی ہے، دل نہیں سوتا۔''

(صحيح البخاري : 3569، صحيح مسلم : 738)

❁ عبید بن عمیر رحمہ اللہ (۶۸ ھ) فرماتے ہیں:

رُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ وَحْيٌ .

''انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں۔''

(صحيح البخاري، تحت الحديث : 138)

ثابت ہوا کہ ہر وحی قرآن نہیں، قرآن کے علاوہ بھی وحی ہے اور وہ حدیث ہے۔ قرآن خواب میں نہیں اُترا، صرف حدیث اُتری ہے۔

سوال: حجاج بن یوسف کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: حجاج بن یوسف جبار وسفاک بادشاہ تھا۔

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ ھ) فرماتے ہیں:

نَسُبُّهٗ وَلَا نُحِبُّهٗ، بَلْ نُبْغِضُهٗ فِي اللّٰهِ، فَإِنَّ ذٰلِكَ مِنْ أَوْثَقِ عُرَى الْإِيْمَانِ .

''ہم اسے برا بھلا کہتے ہیں، اس سے محبت نہیں رکھتے، بلکہ اللہ کے لیے اس سے بغض رکھتے ہیں، کیونکہ اللہ کے لیے بغض رکھنا ایمان کا مضبوط ترین کڑا ہے۔''

(سِيَر أعلام النُّبلاء : 343/4)

سوال: کہتے ہیں کہ ''سانپ نے جنت میں جا کر سیدنا آدم علیہ السلام کو درخت کھانا کا کہا۔'' اس کی کیا حقیقت ہے؟

(جواب): یہ قول یہود کی طرف سے آیا ہے، قرآن اس کی نفی کرتا ہے۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ﴾(الأعراف : ٢٠)

''شیطان نے دونوں کو پھسلایا۔''

(سوال): کیا شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ومنقبت کو مانتے تھے؟

(جواب): شیخ الاسلام ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی فضیلت ومنقبت کو مانتے تھے۔آپ رضی اللہ عنہ کو چوتھا برحق خلیفہ راشد بھی تسلیم کرتے تھے۔

❀ شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَضْلُ عَلِيٍّ وَوِلَايَتُهُ لِلّٰهِ وَعُلُوُّ مَنْزِلَتِهِ عِنْدَ اللّٰهِ مَعْلُومٌ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، مِنْ طُرُقٍ ثَابِتَةٍ أَفَادَتْنَا الْعِلْمَ الْيَقِينِيَّ، لَا يُحْتَاجُ مَعَهَا إِلٰى كَذِبٍ وَلَا إِلٰى مَا لَا يُعْلَمُ صِدْقُهُ.

''صحیح (متواتر) روایات جو علم یقینی کا فائدہ دیتی ہیں، میں ثابت ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بافضیلت شخصیت ہیں، آپ اللہ کے ولی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں عالی مقام رکھتے ہیں۔ان فضائل کے ہوتے ہوئے جھوٹی روایات کی ضرورت نہیں۔''

(مِنہاج السّنّة : 165/8)

(سوال): مندرجہ ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❀ عمرو بن سعید رحمہ اللہ کہتے ہیں:

إِنَّ أَبَا طَالِبٍ قَالَ : كُنْتُ بِذِي الْمَجَازِ وَمَعِي ابْنُ أَخِي يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَدْرَكَنِي الْعَطَشُ، فَشَكَوْتُ

إِلَيْهِ فَقُلْتُ : يَا ابْنَ أَخِي قَدْ عَطِشْتُ، وَمَا قُلْتُ لَهٗ ذَاكَ وَأَنَا أَرٰى أَنَّ عِنْدَهٗ شَيْئًا إِلَّا الْجزَعُ، قَالَ : فَثَنٰى وَرِكَهٗ، ثُمَّ نَزَلَ فَقَالَ : يَا عَمِّ أَعَطِشْتَ؟ قَالَ : قُلْتُ : نَعَمْ، قَالَ فَأَهْوٰى بِعَقِبِهٖ إِلَى الْأَرْضِ فَإِذَا بِالْمَاءِ، فَقَالَ : اشْرَبْ يَا عَمِّ قَالَ : فَشَرِبْتُ .

''ابو طالب کہتے ہیں: میں ''ذوالمجاز'' میں تھا اور میرے ساتھ میرے بھتیجے یعنی نبی کریم ﷺ تھے۔ مجھے پیاس لگی، تو میں نے محمد (ﷺ) سے شکایت کی، عرض کیا: بھتیجے! میں پیاسا ہوں، یہ میں نے صرف جزع فزع کرتے ہوئے کہا، مجھے معلوم تھا کہ ان کے پاس بھی (پینے کے لیے) کچھ نہیں ہے۔ تو انہوں (نبی کریم ﷺ) نے سواری سے اُترنے کے لیے اپنے کولہے کو موڑا، پھر نیچے اترے اور پوچھا: چچا جان! آپ کو پیاس لگی ہے؟ عرض کیا: جی ہاں، تو انہوں نے اپنی ایڑھی زمین پر ماری، تو اچانک پانی نکل آیا، پھر فرمایا: چچا جان! پانی پیجیے، تو میں نے پی لیا۔''

(طَبقات ابن سعد :1/152)

(جواب): یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔ عمرو بن سعید صغیر تابعی ہیں، نبی کریم ﷺ کے چچا ابو طالب کے بارے میں کیسے بیان کر سکتے ہیں؟

(سوال): کیا نبی کریم ﷺ نے کسی موقع پر آٹے میں اپنا لعاب مبارک ڈالا تھا؟

(جواب): نبی کریم ﷺ نے غزوہ خندق کے موقع پر آٹے میں لعاب دہن ڈالا تھا۔

(صحيح البخاري : 4102، صحيح مسلم : 2039)

(سوال): کیا بیوی کا بوسہ لینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

(جواب): محض بوسہ و کنار سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

(سوال): حج وعمرہ میں بالوں کو قصر کرنے کا کیا حکم ہے؟

(جواب): حج وعمرہ میں حلق افضل ہے، البتہ قصر (بال کٹوانا) بھی جائز ہے۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ سر منڈوانے والوں پر رحم فرمائے۔ لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! بال کتروانے والوں کے لیے بھی دُعا کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سر منڈوانے والوں پر رحم فرمائے۔ لوگوں نے کہا: اللہ کے رسول! بال کتروانے والوں کے لیے بھی دُعا فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سر منڈوانے والوں پر رحم فرمائے۔ لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! بال کتروانے والوں کے لیے بھی دُعا کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بال کتروانے والوں پر بھی اللہ رحم فرمائے۔''

(صحيح البخاري : 1727 ، صحيح مسلم : 1301 ، المنتقى لابن الجارود : 485)

(سوال): کیا دو عمرہ کرنے والے ایک دوسرے کا سر مونڈ سکتے ہیں؟

(جواب): جی ہاں۔

(سوال): تقلید کسے کہتے ہیں؟

(جواب): تقلید دو طرح کی ہے، تقلید ممدوح اور تقلید مذموم۔ تقلید لغوی ممدوح ہے، علما جو عامی کے لئے تقلید جائز قرار دیتے ہیں، وہ یہی ہے۔ اور اصطلاحی تقلید مذموم ہے۔ یہ کسی کے لئے جائز نہیں، عقائد ہوں یا فروع ہر دو میں تقلید ممنوع اور ناجائز ہے۔ ائمہ اسلام نے اس کی مذمت کی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عقائد میں تقلید نہیں، فروع میں تقلید ہے، یہ محض دعویٰ ہے، حقیقت اس کے برخلاف ہے۔

تقلید کی تعریف:

❁ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (751ھ) فرماتے ہیں:

اَلْإِعْرَاضِ عَنْ الْقُرْآنِ وَالسُّنَنِ وَآثَارِ الصَّحَابَةِ وَاتِّخَاذِ رَجُلٍ بِعَيْنِهٖ مِعْيَارًا عَلٰى ذٰلِكَ وَتَرْكِ النُّصُوصِ لِقَوْلِهٖ وَعَرْضِهَا عَلَيْهِ وَقَبُولِ كُلِّ مَا أَفْتٰى بِهٖ وَرَدِّ كُلِّ مَا خَالَفَهٗ.

''قرآن وسنت اور آثار صحابہ سے اعراض اور کسی خاص شخصیت کو اس پر معیار بنالینا، پھر اس کی وجہ سے نصوص کو چھوڑ دینا، نصوص کو اس کے قول پر پیش کرنا اور صرف وہ نصوص قبول کرنا، جن پر اس شخصیت خاص نے فتوی دیا ہو اور اس کے مخالف تمام روایات کو رد کر دینا، (تقلید کہلاتا ہے)۔''

(إعلام المؤقعين: 177/2)

سوال: کیا تقلید سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے؟

جواب: تقلید جہالت ہے، اس سے علم یقینی حاصل نہیں ہوسکتا۔

❁ علامہ قرطبی رحمہ اللہ (671ھ) لکھتے ہیں:

بَيَّنَ أَنَّهُمْ مُتَحَكِّمُونَ، وَلَا دَلِيلَ لَهُمْ عَلٰى أَنَّ اللّٰهَ أَمَرَهُمْ بِمَا ادَّعَوْا، وَقَدْ مَضٰى ذَمُّ التَّقْلِيدِ وَذَمُّ كَثِيرٍ مِّنْ جِهَالَاتِهِمْ، وَهٰذَا مِنْهَا.

''اس میں بیان ہوا ہے کہ وہ لوگ زبردستی حکم لگاتے ہیں، ان کے پاس اس دعوی پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ فحاشی کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ تقلید کی مذمت اور ان کی بہت ساری جہالتوں کی مذمت گزر چکی ہے، یہ بھی انہیں میں سے ایک ہے۔''

(تفسير القرطبي: 187/7)

❁ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ (751ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنَّ مَا لَمْ يُتَبَيَّنْ وَلَمْ يُتَيَقَّنْ فَلَيْسَ بِعِلْمٍ، وَإِنَّمَا هُوَ ظَنٌّ، وَالظَّنُّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا .

''اس پر علما کا اجماع ہے کہ جو واضح اور یقینی نہ ہو، وہ علم نہیں ہوتا، وہ ظن ہوتا ہے اور ظن جو ہوتا ہے، حق سے کچھ فائدہ نہیں دیتا۔''

(إعلام المؤقعين : 138/2)

سوال: تقلید کا کیا حکم ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیا کو مبعوث فرمایا، انہیں وحی کا پابند بنایا۔ اس نے وحی کی پیروی کی بجائے، خواہشات نفس کی پیروی شروع کر دی۔ کم ہمتی کا مظاہرہ کیا۔ اپنی عقل کی کمی پر دلیل قائم کر دی۔ یوں چشمہ نبوت سے سیراب نہ ہو سکا۔ انبیا کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا اور تقلید کا پٹہ گلے میں ڈال لیا۔ تقلید کی کوکھ سے کئی برائیوں نے جنم لیا، حتی کہ کفر بھی تقلید کی پیداوار ہے۔ تعصب بھی تقلید کا نتیجہ ہے۔ اس سے بغاوت اور معصیت نے بھی جنم لیا ہے، تقلید کی وجہ سے شریعت کے احکام و مسائل کو الجھا دیا گیا ہے، مثلاً فقہ حنفی کی کتابوں کی بہ نسبت قرآن و حدیث کو سمجھنا بہت آسان ہے۔

بیسیوں آیات بینات اور احادیث مبارکہ سے تقلید کا بطلان کیا گیا ہے، کئی اہل علم نے تقلید کا رد کیا ہے۔

❁ علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ (۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

''اللہ نے شریعت کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ اگر ایک امام ایک بات نہیں کہے گا تو وہی دوسرا امام کہہ دے گا۔ تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ امت نے اجماعی طور پر حق کو

چھوڑ دیا اور وہ ہمیشہ باطل رہ جائے۔تو لوگوں کے اعمال کی مصلحت اس میں نہیں ہے کہ وہ ایک ہی امام کے پیرو ہوکر رہیں اور اس کے قول سے انحراف تک نہ کریں، اس سے تقلید کا فساد بھی واضح ہو جاتا ہے اور اسی لئے بادشاہوں اور اہل حل وعقد نے جب دیکھا کہ لوگ تقلید محض پر کاربند ہوتے جا رہے ہیں، اپنے امام کے سوا کسی کی سنتے تک نہیں، تفرقے کا شکار ہو گئے ہیں۔تو بادشاہ حضرات ہر فرقے سے الگ الگ قاضی مقرر کرنے لگے۔تا کہ ایک امام کے قول پر رکے رہنے سے کوئی حق ضائع نہ ہو جائے۔تو ان باشاہوں کے مناسب یہ تھا کہ جب لوگوں کو فرقوں میں بٹتا دیکھتے تو ان کو منع کرتے، لیکن انہوں نے وہ کام کیا، جو الٹا فرقوں کے تعصب پر اصرار کا باعث بن گیا۔ یہ اسلام کے ابتدائی ایام میں نہیں ہوا، بلکہ تقریبا سو برس بعد ہوا، نیکی کرنے کی طاقت اور گناہ سے بچنے کی طاقت اللہ ہی کے لئے۔''

(التّنبیه علی مُشکلات الهِدایة : 924/5)

❀ نیز فرماتے ہیں:

''آدمی امام ابوحنیفہ، مالک، احمد بن حنبل یا شافعی کا مقلد ہو، پھر وہ بعض مسائل میں اپنے امام کے علاوہ کسی دوسرے کے مذہب کو زیادہ قوی پائے اور اپنے امام کے مذہب کو چھوڑ دے، تو یہ بہت بہتر ہوگا، اس کے دین وعدالت میں کوئی قدح نہیں کی جائے گی۔اس میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ یہ حق کے زیادہ قریب ہے اور اللہ و رسول کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے، بہ نسبت اس شخص کے جو رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر کسی معین امام کے لئے تعصب دکھاتا ہے اور

سمجھتا ہے کہ اس کے امام کا قول ہی حق ہے، باقی ائمہ کا حق نہیں، ایسا شخص گمراہ ہے، گمراہ گر ہے۔ بلکہ بسا اوقات تو نوبت اس کے کفر تک پہنچ جاتی ہے، تب اس سے توبہ کروائی جائے، اگر کر لے تو ٹھیک وگرنہ قتل کر دیا جائے، کیونکہ جب وہ کسی شخص معین کے متعلق یہ عقیدہ بنا لیتا ہے کہ صرف اسی کا اتباع واجب ہے، دیگر ائمہ کی نہیں، تو وہ گویا اپنے امام کو رسول جیسا بنا دیتا ہے اور یہ کفر ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عامی پر کسی امام کی تقلید واجب ہے، بغیر یہ معین کئیکہ وہ زید ہے یا عمر ہے۔ تو جو شخص ائمہ سے محبت کرنے والا ہوتا ہے، ان کا دوست ہوتا ہے، وہ سب ائمہ کی بات سنتا ہے۔ تو جس کی بات موافق سنت ہو، قبول کر لیتا ہے۔ تو صحابہ اور ان کے بعد کے ائمہ متفقہ عقائد پر ہیں، اگر چہ ان کے درمیان بعض فروعات میں اختلاف ہوا ہے۔ لیکن ان کا اجماع قطعی حجت ہے۔ اللہ سب پر رحمت کرے۔ تو جو شخص کسی ایک امام کے لئے تعصب دکھاتا ہے، باقیوں کو چھوڑ دیتا ہے، اس کی مثال ان جیسی ہے، جو ایک صحابی کے لئے تعصب دکھاتے ہیں، باقیوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ جیسے نواصب، روافض اور خوارج کرتے ہیں۔''

(التّنبيه على مُشكلات الهِداية : 2/542-542، الإتباع، ص 80)

❁ مزید لکھتے ہیں:

''اختلافی مسائل کو اللہ و رسول کی طرف لوٹانا واجب ہے، اللہ فرماتے ہیں:
''اگر تم کسی بھی مسئلہ میں اختلاف کا شکار ہو جاؤ، تو اسے اللہ و رسول کی طرف لوٹاؤ۔'' اللہ کی طرف لوٹانے کا مطلب اس کی کتاب کی طرف لوٹانا ہے۔

رسول کی طرف لوٹانے سے مراد آپ کی زندگی میں آپ کی ذات کے پاس جانا تھا اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی سنت کو دیکھا جائے گا۔ مقلدین ایسا مگر نہیں کرتے، بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ کسی امام نے کوئی بات کہہ دی ہے، بس اسی پر جمے رہتے ہیں، نہیں دیکھتے کہ اس کے مخالف بھی کوئی قول موجود ہے یا نہیں، بلکہ امام کی نص تو گویا ان کے نزدیک شریعت کی نص ہے، حالانکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ان کے مذہب کی کتابوں میں اصحاب فتاویٰ کے اقوال ہوتے ہیں اور امام سے اس سلسلہ میں کچھ منقول ہی نہیں ہوتا۔''

(الإتّباع، ص31)

سوال: بعض لوگ مندرجہ ذیل آیت سے تقلید کا جواز ثابت کرتے ہیں:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ، صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾

(الفاتحة: 6-7)

''(اللہ!) سیدھے رستے کی طرف ہماری رہنمائی کر، ان لوگوں کا رستہ، جن پر تیرا انعام ہے۔''

اس استدلال کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: اس آیت کریمہ میں منعم علیہم کے راستے کو صراط مستقیم کہا گیا ہے، ان کی پیروی کی توفیق مانگی گئی ہے، یہ قرآن وسنت کا متفقہ فہم ہے، جسے اہل حق نے اختیار کر رکھا ہے۔ تقلید تو کافر قوموں کا شعار رہا ہے، اس میں کجی ہے، اس لیے تقلید راہِ حق نہیں۔ علمائے حق نے تقلید سے منع کیا ہے۔

❀ علامہ رازی رحمہ اللہ (606ھ) ایک آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''یہ سب (نصوص) تحقیق، استدلال اور تفکر کے وجوب اور تقلید کی مذمت پر دلالت کرتی ہیں، لہٰذا جو شخص استدلال اور تحقیق کی دعوت دیتا ہے، وہ قرآن اور انبیا کے دین کے موافق ہے اور جو تقلید کی دعوت دیتا ہے، وہ قرآن کے خلاف ہے اور دینِ کفار کے موافق ہے۔''

(تفسير الرازي : 327/2)

❁ مزید لکھتے ہیں:

''اگر قرآن میں صرف یہی آیات ہوتیں، تو یہ تقلید کے ابطال کے لیے کافی تھیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ یہ کفار اپنے عقائد کے ثبوت پر کسی عقلی یا نقلی دلیل سے تمسک نہیں کرتے، نیز یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ ان کے نظریات کی بنیاد محض اپنے آبا اور اسلاف کی تقلید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تمام باتیں بہ طور مذمت اور عیب کے ذکر کیں ہیں، اس سے تقلید کا بطلان ہوتا ہے۔''

(تفسير الرّازي : 627/27ـ 628)

سوال: تقیہ کیا ہے؟

جواب: تقیہ شیعہ مذہب کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ شیعہ تقیہ کو ضروریات دین کا درجہ دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک تقیہ نہ کرنے والا تارک نماز کی مانند ہے۔ تقیہ کے ذریعہ یہ لوگ اپنے باطن میں کفر محض رکھتے ہیں اور اسلام کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ نفاق کی بری صورت ہے۔

❁ جعفر صادق رحمہ اللہ (۱۴۸ھ) سے منسوب کیا جاتا ہے:

إِنَّ تِسْعَةَ أَعْشَارِ الدِّينِ فِي التَّقِيَّةِ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَّا تَقِيَّةَ لَهٗ .

''دین کے دس حصوں میں سے نو حصے تقیہ ہے، جس نے تقیہ نہیں کیا، اس کے دین کا کوئی اعتبار نہیں۔'' (أصول الكافي للكُلَيْني : 2/217)

شیعہ اُصول حدیث کے مطابق یہ قول صحیح ہے۔

۞ شیعہ عالم، ابن بابویہ قمی (۳۸۱ھ) نے لکھا ہے:

اَلتَّقِيَّةُ وَاجِبَةٌ لَا يَجُوزُ رَفْعُهَا إِلٰى أَنْ يَّخْرُجَ الْقَائِمُ، فَمَنْ تَرَكَهَا قَبْلَ خُرُوجِهٖ فَقَدَ خَرَجَ عَنْ دِينِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَعَنْ دِينِ الْإِمَامِيَّةِ وَخَالَفَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ وَالْأَئِمَّةَ .

''تقیہ واجب ہے، جب تک قائم (شیعہ کا آخری امام) کا خروج نہیں ہوتا، تقیہ کو ترک کرنا جائز نہیں۔ جس نے امام کے خروج سے پہلے تقیہ کو ترک کیا، وہ اللہ کے دین اور مذہب امامیہ سے خارج ہو گیا اور اس نے اللہ، اس کے رسول اور ائمہ (معصومین) کی مخالفت کی۔''

(الاعتقادات، ص 114

شیعہ مذہب کی حقیقت تقیہ ہے۔ یہ اس حقیقت کو اختیار کرتے ہوئے اپنے کفریہ عقائد و اعمال کو چھپاتے ہیں اور خود کو امت مسلمہ ظاہر کرتے ہیں۔ شیعہ قرآن کریم کے بارے میں بالاتفاق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن میں نقص واقع ہو گیا ہے۔ جب شیعہ سے پوچھا جائے، تو تقیہ کرتے ہوئے فوراً قرآن کو غیر محرف بتاتے ہیں۔ اسی طرح اہل سنت کی کتب میں موجود احادیث کا انکار کرتے ہیں، لیکن جب ان سے پوچھا جائے، تو تقیہ کرتے ہوئے اقرار کرتے ہیں۔ اصحاب رسول ﷺ، خصوصاً اصحاب ثلاثہ، سیدنا ابو بکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کو مرتد کافر اور غاصب سمجھتے ہیں، لیکن تقیہ کی وجہ سے برملا اس کا اظہار

نہیں کرتے۔شیعہ اپنے ائمہ معصومین کو نبی کریم ﷺ کے علاوہ باقی تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر فائق سمجھتے ہیں،لیکن تقیہ کرتے ہوئے سرعام اس کا اظہار نہیں کرتے۔

چونکہ کفریہ اعتقادات میں شیعہ تقیہ کرتے ہیں اور اہل سنت کے موافق عقیدے کا اظہار کرتے ہیں،اس لیے عوام ان کے متعلق بہتر رائے رکھتی ہے۔

❁ شیخ الاسلام،ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

''روافض میں نفاق اور زندیقیت باقی تمام (باطل) فرقوں سے زیادہ ہے۔ بلکہ ہر رافضی میں نفاق کا ایک شعبہ ضرور پایا جاتا ہے۔کیونکہ نفاق کی اساس و بنیاد جھوٹ ہے اور زبان سے ایسی بات کرنا ہے، جو دل میں نہ ہو۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق خبر دی ہے کہ وہ زبان سے ایسی بات کرتے ہیں، جو ان کے دل میں نہیں ہوتی۔روافض اسے اپنے دین کی بنیاد قرار دیتے ہیں اور اس کا نام ''تقیہ'' رکھتے ہیں۔......اللہ تعالیٰ نے اہل بیت اور دوسرے مومنوں کو اس سے بچائے رکھا، بلکہ وہ تو سب سے زیادہ سچے اور حقیقی ایمان والے لوگ تھے۔ان کے دین کی بنیاد تقویٰ پر تھی، نہ کہ تقیہ پر۔اللہ تعالیٰ کے فرمان:﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾ (آلُ عِمْرَانَ : ۲۸) ''مومنوں کو چاہیے کہ وہ اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست مت بنائیں۔جس نے ایسا کیا،تو اسے اللہ تعالیٰ کی حمایت نہیں، الا یہ کہ کفار سے بچاؤ مقصود ہو۔'' میں کفار سے بچاؤ کا حکم دیا گیا، نہ کہ نفاق اور جھوٹ کا حکم دیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لیے کلمہ کفر بولنا مباح کیا

ہے،جس کو کفریہ کلمہ بولنے پر مجبور کر دیا جائے، جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔لیکن اہل بیت کے کسی فرد کو مجبور نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اہل بیت یا کسی اور کو اپنی بیعت پر مجبور نہیں کیا، چہ جائیکہ انہیں اپنے مدح وثنا پر مجبور کیا ہو۔ بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت صحابہ کرام کے فضائل کا اظہار کرتے تھے، ان کی تعریف وستائش کرتے تھے اوران کے لیے رحمت کی دعا کرتے تھے۔کسی صحابی نے انہیں کسی کام پر مجبور نہیں کیا، اس پر سب کا اتفاق ہے۔بنوامیہ اور بنوعباس کے دور میں ایسے بہت سے افراد موجود تھے، جو ایمان وتقویٰ میں سیدنا علی بن ابی طالب اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے کم تر تھے۔ وہ ان حکمرانوں کے کئی اقدامات کو ناپسند کرتے تھے، وہ ان کی مدح وثنا نہیں کرتے تھے، نہ انہیں اپنے قریب کرتے تھے۔اس کے باوجود یہ لوگ ان سے خوف نہیں کھاتے تھے اور نہ وہ حکمران انہیں مجبور کرتے تھے۔ جبکہ سب کا اتفاق ہے کہ خلفائے راشدین کے متعلق یہ کہنا بہت بعید ہے کہ وہ لوگوں کو مجبور کرتے ہوں اور اطاعت (نہ کرنے پر) سزا دیتے ہوں۔ جب (اُموی اور عباسی) حکمرانوں کے دور میں لوگوں کو مجبور نہیں کیا گیا کہ وہ ایسی بات کہیں، جو ان کے دل میں نہیں ہے۔تو خلفائے راشدین کے دور کے لوگوں کے متعلق یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ انہیں ایسی باتیں، بلکہ جھوٹ کہنے، جھوٹی گواہی دینے اور کفر کا اظہار کرنے پر مجبور کر دیا گیا، جیسا کہ روافض کہتے ہیں، حالانکہ انہیں کسی نے مجبور نہیں کیا۔معلوم ہوا کہ جس (تقیہ) کی بنیاد پر روافض (جھوٹا) اظہار کرتے ہیں، اس کی بنیاد جھوٹ، نفاق اور زبان سے ایسی بات کہنا ہے،

جو دل میں نہ ہو۔ یہ مومن کو کلمہ کفر پر مجبور کرنے کی قبیل سے نہیں ہے۔''

(مِنهاج السُّنّة النّبويّة : 2/46-48)

(سوال): کیا نکاح متعہ کو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حرام کیا؟

(جواب): بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام میں متعہ حلال ہی تھا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اس کو حرام قرار دیا تھا۔ ان کے دلائل کا جائزہ ملاحظہ فرمائیں:

❁ سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنَّا نَسْتَمْتِعُ بِالْقَبْضَةِ مِنَ التَّمْرِ وَالدَّقِيقِ، الْأَيَّامَ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ، حَتّٰى نَهٰى عَنْهُ عُمَرُ، فِي شَأْنِ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ .

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں کھجوروں اور آٹے کی ایک مٹھی کے عوض متعہ کیا کرتے تھے، حتی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن حریث کے معاملے میں ہمیں اس سے منع فرما دیا۔''

(صحيح مسلم : 16/1405)

اس حدیث سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں متعہ سے روکا، یہ نہیں کہ انہوں نے خود اسے حرام کیا۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے متعہ کی حرمت معلوم نہیں ہو سکی تھی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بتانے پر معلوم ہو گئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں متعہ سے روکا، تو بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرام کر دیا تھا۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ منتخب ہوئے، تو آپ نے خطبہ دیا: لوگو! بلاشبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تین دفعہ متعہ کی اجازت دی تھی، پھر اسے حرام کر دیا تھا۔ اللہ کی قسم! مجھے جس شادی شدہ کے بارے متعہ کرنے کا علم ہوا، اسے ضرور رجم کر دوں گا۔ ہاں اگر وہ چار گواہ پیش کر دے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرام کرنے کے بعد حلال کر دیا تھا، تو چھوڑ دوں گا۔''

(سنن ابن ماجه : 1963، مسند البزّار : 183، وسندهٗ حسنٌ)

۞ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا متعہ کی اجازت دینے کے بعد اس سے منع کرنا سیدنا سبرہ بن معبد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ثابت ہے، جبکہ ممانعت کے بعد اس کی اجازت ثابت نہیں۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا متعہ سے منع کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کی موافقت میں تھا۔ یہ بات تب سمجھ میں آتی ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ اور ان لوگوں کو، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد متعہ کرتے رہے اور انہیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے روکا، ان لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کا علم نہیں ہوا تھا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے متعہ سے روکنے کا عمل اپنے اجتہاد سے نہیں کیا تھا، بلکہ اس ممانعت کی دلیل انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کو ہی بنایا تھا۔ اس کی صراحت سنن ابن ماجہ کی اس روایت میں ہے، جو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے، تو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (فتح مکہ کے موقع پر) تین دن متعہ کی اجازت دی تھی، پھر اس سے (ہمیشہ کے لیے) منع فرما دیا۔''

(فتح الباري شرح صحيح البخاري : 172/9)

نیز یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی متعہ شریعت اسلامیہ میں منسوخ اور حرام تھا، اسی لیے تو وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بتانے پر اس کے قائل ہو گئے، ورنہ جس چیز کی رخصت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہو، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسے کیسے حرام کر سکتے ہیں اور ان کے کہنے پر دوسرے صحابہ اس سے کیونکر رک سکتے ہیں؟

امام طحاوی رحمہ اللہ (321ھ) فرماتے ہیں:

''رہا سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا یہ قول کہ ہم متعہ کرتے رہے، یہاں تک کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں اس سے روک دیا، تو ممکن ہے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا متعہ سے روکنا معلوم نہ ہوا ہو اور اس ممانعت کا علم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے روکنے سے ہی ہوا ہو۔ پھر جابر رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شروع میں مباح کردہ عمل سے رک جانا دلیل ہے کہ ان کے نزدیک اس کا منسوخ اور حرام ہونا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے) ثابت ہو چکا تھا۔''

(شرح معاني الآثار : 26/3)

سوال: کیا سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پہلے اسلام لانے والوں میں سے تھے؟

جواب: سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بچوں میں سے سب سے پہلے اسلام لائے۔

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَوَّلُ مَنْ صَلّٰى مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ فِي مَوضِعٍ آخَرَ : أَوَّلُ مَنْ أَسْلَمَ عَلِيٌّ .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے پہلے نماز سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ادا کی، دوسری

جگہ فرمایا: (بچوں میں) سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔''

(مسند الإمام أحمد : 371/4، فضائل الصّحابة للنّسائي : 34، سنن التّرمذي : 3735، وسنده حسنٌ)

اس روایت کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن صحیح'' امام حاکم (143/3) نے ''صحیح الاسناد'' کہا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے موافقت کی ہے۔

❀ مورخ اسلام، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام صحابی ہیں، ابھی تلک وہ بالغ بھی نہ ہوئے تھے کہ اسلام کی نعمت سے سرفراز ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ سب سے پہلے اسلام لائے، اس سلسلے میں بیان کی جانے والی حدیث ثابت نہیں، درست یہی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے تھے، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا عورتوں میں، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آزاد مردوں میں اور سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آزاد کردہ غلاموں میں سب سے اول مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔''

(البداية والنهاية : 31/11)

سوال: اگر کوئی نماز میں سجدہ تلاوت والی آیات پڑھے اور سجدہ تلاوت کے بغیر رکوع کر لے، تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: نماز درست ہے۔ سجدہ تلاوت مشروع و مستحب ہے، واجب نہیں۔ احناف کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب ہے، اگر کوئی سجدہ تلاوت کے بغیر رکوع میں چلا گیا اور رکوع کو سجدہ کے قائم مقام نہ سمجھا، تو ان کے نزدیک نماز نہ ہوگی۔ یہ بے دلیل اور بدعی مؤقف ہے۔ اسلاف امت میں اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔